سبق: 7

تعلیم القرآن

آن لائن اکیڈمی

(سورۃ یوسف ،آیت 50 تا 57)

CamScanner

وَ قَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِیْ بِهٖۚ فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَسْـَٔلْهُ

اور (تعبیر سن کر) بادشاہ نے کہا اُسے میرے پاس لاؤ، پس جب قاصد ان کے پاس آیا تو (یوسف علیہ السلام نے) کہا کہ اپنے

آیت 50 ﴿وَ قَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِیْ بِهٖۚ فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ . . . : یوسف علیہ السلام سے تعبیر پوچھنے والے نے جب واپس جا کر بادشاہ کو تعبیر بتائی اور اس حوالے سے ایک پورا لائحۂ عمل بیان کیا تو بادشاہ بہت خوش ہوا اور کہنے لگا کہ اسے میرے پاس لے کر آؤ، میں اس ذہین وفطین شخص سے ملنا چاہتا ہوں۔ پیچھے یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ بادشاہ نے جن لوگوں کو تعبیر بیان کرنے کے لیے بلایا تھا انھوں نے کہا تھا کہ یہ پراگندہ اور بیکار قسم کا خواب ہے جس کی کوئی تعبیر نہیں ہے۔ یعنی جس قسم کا بے دین بادشاہ تھا ایسے ہی اس کے تعبیریں بیان کرنے والے ہوں گے۔ انھوں نے بھی علمِ نجوم جیسی چیزوں کا سہارا لیا ہو گا۔ اس طرح کے بے علم لوگوں کی باتیں کبھی درست بھی ہو جاتی ہوں گی لیکن اکثر غلط ہی ہوتی ہیں، جنات کی مناسبت سے ان علوم کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔ بہر حال یوسف علیہ السلام کی بیان کردہ تعبیر سن کر

مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِیْ قَطَّعْنَ اَیْدِیَهُنَّ ؕ اِنَّ رَبِّیْ بِكَیْدِهِنَّ عَلِیْمٌ ﴿۵۰﴾

مالک کے پاس واپس جاؤ، اس سے پوچھو کہ ان عورتوں کا معاملہ کیا ہے جنھوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے، بے شک میرا رب ان کے فریب سے خوب واقف ہے ﴿50﴾

بادشاہ بہت متاثر ہوا اور کہنے لگا کہ اس شخص کو میرے پاس لے کر آؤ۔ جب بادشاہ کا پیغام لانے والا یوسف علیہ السلام کے پاس آیا تو انھوں نے کہا کہ اپنے مالک کی طرف واپس لوٹ جاؤ اور اس سے پوچھو کہ ان عورتوں کا کیا معاملہ ہے جنھوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے۔

یوسف علیہ السلام کو جس طرح بادشاہ کا پیغام ملا، اس نے سوچا ہو گا کہ یہ کیسا عظیم اخلاق و کردار والا ہے کہ انھیں قید سے رہائی سے زیادہ اپنی پاکدامنی، پاکیزگی اور شکوک وشبہات سے صفائی عزیز ہے۔ کوئی اور ہوتا تو فوراً ساتھ چل پڑتا لیکن چونکہ وہ اللہ کے نبی ہیں اور دعوت ان کا مشن ہے، اس لیے ان کے نزدیک ساری اہمیت اسی چیز کی ہے۔ بادشاہ کا قرب ان کے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ یوسف علیہ السلام نے جس صبر کا مظاہرہ کیا اس کی تعریف خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمائی ہے۔ [دیکھیے صحیح البخاري، کتاب التفسیر، باب قوله: ﴿فلما جاءه الرسول ...﴾: ٤٦٩٤]

فَسْـَٔلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِیْ قَطَّعْنَ اَیْدِیَهُنَّ: یوسف علیہ السلام نے قاصد سے کہا کہ بادشاہ پہلے یہ بات واضح کرے کہ ان عورتوں کے مکر اور سازش کی وجہ سے مجھے قید میں آنا پڑا تھا۔ میں جیل سے باہر آجاؤں، یہ مسئلہ واضح نہ ہو اور شکوک وشبہات ایسے ہی باقی رہ جائیں تو یہ درست نہیں ہے۔ ایک داعی کو چاہیے کہ اگر اس کے اوپر کوئی تہمت لگ جائے تو اس کی صفائی ضرور دے، کیونکہ تہمت کے ساتھ دین کی دعوت کا کام مؤثر نہیں ہوسکتا اور داعی کی عزت پر بھی حرف آتا ہے۔ مفسرین بیان کرتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام نے اس موقع پر یہ نہیں کہا کہ عزیزِ مصر کی بیوی نے مجھے برائی پر آمادہ کرنے کی کوشش کی تھی بلکہ مطلق طور پر ان عورتوں کی بات کی جنھوں نے اپنے ہاتھ کاٹے تھے۔ عزیز مصر کی بیوی نے تو ہاتھ نہیں کاٹا تھا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ساری عورتیں ہی خباثت پر اتر آئی تھیں اور ان کا ہاتھ کاٹنا باقاعدہ ایک مکر اور فریب تھا۔ اس سازش کے ذریعے انھوں نے یوسف علیہ السلام کو بہکانا چاہا تھا۔

اِنَّ رَبِّیْ بِكَیْدِهِنَّ عَلِیْمٌ: ''بے شک میرا رب ان کے فریب سے خوب واقف ہے۔'' تدبیر یا مکر تو ایک عورت کا تھا، اسی نے یوسف علیہ السلام کو بہکانا اور پھسلانا چاہا لیکن جب ناکام ہوئی اور دیگر عورتوں نے پروپیگنڈا کیا تو اس نے دعوت کا بندوبست کر کے ان کے سامنے اپنی صفائی پیش کرنے کی کوشش کی اور ان عورتوں نے بھی یوسف علیہ السلام کو بہکانے کی کوششیں کیں مگر ناکام ہوئیں۔ یہاں یوسف علیہ السلام ان سبھی عورتوں کا ذکر کر رہے ہیں کہ بے شک میرا رب ان کے مکر

قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ يُوْسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ

(بادشاہ نے عورتوں سے) پوچھا کہ اس وقت کیا معاملہ پیش آیا تھا جب تم نے یوسف (علیہ السلام) کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا

کو خوب جاننے والا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور میرا یقین ہے کہ وہ مجھے اس سارے معاملے سے بری کرے گا۔ یوسف علیہ السلام نے بادشاہ کے پاس اس ایلچی کو بھیجا ہے لیکن توکل پھر بھی اپنے رب پر ہے کہ میری صفائی اللہ رب العالمین ہی نے دینی ہے۔ اس سے یہ بات سمجھ آتی ہے کہ اپنی بے گناہی ثابت کرنے کے لیے تدبیر کرنا، وسائل بروئے کار لانا اور گرفتار ہونے پر عدالتوں سے رجوع کرنا درست عمل ہے، اگرچہ یہ عدالتیں کافروں کی ہی کیوں نہ ہوں۔ اس سلسلہ میں اپنے دفاع کے لیے مال خرچ کرنا بھی جائز ہے، جیسا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ((ذُبُّوْا بِأَمْوَالِكُمْ عَنْ أَعْرَاضِكُمْ)) [سلسلة الأحاديث الصحيحة: ۳/ ۴۴۵، ح: ۱۴۶۱] ''اپنے مالوں کے ذریعے اپنی عزتوں کا دفاع کرو۔'' البتہ یہ ہے کہ ان ساری چیزوں کے بعد بھی اعتماد اور توکل صرف اللہ رب العزت کی ذات پر کرنا ہے۔

آیت 51 قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ يُوْسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ: بادشاہ صرف عزیزِ مصر کی بیوی سے سوال نہیں کر رہا بلکہ سب سے پوچھ رہا ہے کہ تم اپنا معاملہ ذرا واضح کرو جب تم نے یوسف (علیہ السلام) کو بہکانے اور پھسلانے کی کوشش کی تھی۔ بادشاہ کو پہلے سے سارے معاملے کا علم تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ عورتوں سے سوال ہی اس انداز میں کر رہا ہے کہ جب تم نے یوسف علیہ السلام کو بہکانے کی کوشش کی تھی، یعنی اس کا سوال یہ نہیں ہے کہ تمھارے ساتھ کیا معاملہ پیش آیا تھا بلکہ وہ کہتا ہے کہ جب تم نے یوسف علیہ السلام کو پھسلانے کی کوشش کی تو پھر کیا ہوا تھا؟ اس کا مطلب ہے کہ بادشاہ ان عورتوں کو گناہ گار سمجھتا تھا اور یوسف علیہ السلام کی گرفتاری کی ساری حقیقت اس کے سامنے واضح تھی۔ اس سارے معاملے کے پیچھے مصلحت صرف یہ تھی کہ عزیزِ مصر کی بیوی اور دوسری عورتوں کے قصے معاشرے میں جتنے زیادہ معروف ہوں گے اتنی زیادہ بدنامی ہو گی، لہٰذا اسی بدنامی سے بچنے کے لیے یوسف علیہ السلام کو جیل میں ڈالا گیا تھا۔

اصولی طور پر تو ان عورتوں کو جیل میں ہونا چاہیے تھا لیکن جب حکومتوں کے فیصلے عدل و انصاف پر مبنی نہ ہوں تو پھر اکثر سزائیں ان لوگوں کو ملتی ہیں جو بے گناہ ہوتے ہیں۔ ہم نے اپنے معاشروں میں بھی یہ چیزیں دیکھی ہیں کہ مظلوم مسلمانوں کے حق میں آواز بلند کرنے پر بعض رہنماؤں کو جیلوں میں ڈالا گیا اور عدالتوں میں مقدمات کی سماعت ہوئی تو سرکاری افسران برملا اس بات کا اظہار کرتے رہے کہ اس ملک میں ان کا کوئی جرم نہیں ہے اور ان کی رفاہی و فلاحی خدمات بہت زیادہ ہیں لیکن ہم پر بیرونی دباؤ بہت ہے۔ اگر ہم انھیں جیلوں میں نہیں رکھیں گے تو کافر قوتیں ناراض ہوں گی،

CamScanner

مِنْ سُوْٓءٍ ؕ قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِیْزِ الْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ ۫ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ
وَ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۵۱﴾

تھا، ان عورتوں نے کہا کہ اللہ کی پناہ! ہم نے اس میں کوئی برائی نہیں پائی۔ عزیز (مصر) کی بیوی نے کہا اب حق واضح ہو چکا ہے، میں نے ہی اسے ورغلایا تھا جبکہ وہ یقیناً سچوں سے ہے ﴿51﴾

عالمی اداروں سے قرض نہیں ملیں گے اور ہمارے لیے ملک کا نظام چلانا مشکل ہو جائے گا۔ سچی بات ہے کہ جب عدل و انصاف اور قانون کی حکمرانی نہ ہو تو پھر حکومتی سطح پر اسی قسم کے فیصلے کیے جاتے ہیں۔ یوسف علیہ السلام کو بھی جرم بے گناہی میں صرف اپنی بدنامیوں کے خوف سے جیل میں قید کیا گیا تھا اور جانتے بوجھتے سارا ظلم ہو رہا تھا۔

قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَیْهِ مِنْ سُوْٓءٍ: ''ان عورتوں نے کہا کہ اللہ کی پناہ! ہم نے اس میں کوئی برائی نہیں پائی۔'' ہمارے علم میں اس کی کوئی غلطی نہیں ہے اور اس پر برائی اور تہمت کا الزام درست نہیں ہے۔ گویا ساری عورتوں نے یوسف علیہ السلام کی صفائی پیش کر دی اور کہا کہ بے شک وہ پاکیزہ شخص ہے۔ ہم نے اس میں کسی قسم کی کوئی برائی محسوس نہیں کی۔

قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِیْزِ الْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ . . . : جب سب عورتوں نے گواہی دی اور عزیز کی بیوی نے بھی دیکھ لیا کہ اب تو ہر چیز کھل کر واضح ہو گئی ہے تو اس نے بھی کہہ دیا کہ میں نے ہی اسے پھسلانے کی کوشش کی تھی، یوسف (علیہ السلام) کی کوئی غلطی نہیں ہے، بے شک وہ سچوں میں سے ہے۔ سب عورتوں نے گواہی دے کر ایک اچھا کام کیا تو اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ عزیز کی بیوی نے بھی اپنی غلطی تسلیم کر لی۔ جب معاشرے میں حالات بہتر ہونے لگیں اور لوگ اپنی غلطیاں تسلیم کر کے اصلاح کرنا چاہیں تو اللہ تعالیٰ بھی توفیق سے نوازتا ہے اور بڑی سے بڑی غلطی کی بھی اصلاح ہو جاتی ہے۔ جب تک عورتوں نے یوسف علیہ السلام کی بے گناہی پر بات نہیں کی تھی اس وقت تک معاملہ اندھیرے میں تھا ، لیکن جب انھوں نے گواہی پیش کر دی تو حق بات سب پر واضح ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام سے معاشرے کی اصلاح کا کام لینا تھا، اس لیے ان کی عزت اور وقار کو محفوظ رکھا، کیوں کہ ایسا شخص جس کے کردار پر داغ ہو وہ دعوت کا کام نہیں کر سکتا اور نہ ہی لوگ اس کی بات سننے کے لیے تیار ہوتے ہیں۔ اللہ رب العالمین اپنے بندوں کی ایسے ہی مدد کرتے ہیں۔ اس لیے ہر وقت اپنے رب سے مدد طلب کرتے رہنا چاہیے۔

انبیاء علیہم السلام کے وارث علمائے کرام، جنھوں نے اللہ کے دین کا کام کرنا ہے انھیں خاص طور پر اپنا کردار بہت صاف ستھرا رکھنا چاہیے، اپنے رب پر توکل کرنا چاہیے اور سارے وسائل اور تدبیریں اختیار کرنی چاہییں۔ یوسف علیہ السلام

CamScanner

ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّيْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ ﴿۵۲﴾

(یوسف علیہ السلام نے کہا کہ میں نے) یہ بات اس لیے کی ہے کہ اس (عزیزِ مصر) کو معلوم ہو جائے کہ میں نے اس کی عدم موجودگی میں اس کی خیانت نہیں کی اور بے شک اللہ خیانت کرنے والوں کے فریب کو کامیاب نہیں ہونے دیتا ﴿52﴾

نے یہ نہیں کہا کہ اب اللہ تعالیٰ خود ہی سب کچھ کر دے گا، جس طرح ہمارے ہاں بعض لوگ مادیت کو اپنے لیے رکاوٹ سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ روحانیت سے ہی سب کچھ ہو گا بلکہ یوسف علیہ السلام نے قاصد کو واپس بھیج کر بادشاہ کے سامنے یہ مطالبہ رکھا کہ میں اس وقت جیل سے باہر آؤں گا جب یہ مسئلہ حل ہو گا۔ یوسف علیہ السلام نے اپنی بے گناہی ثابت کرنے کے لیے یہ ایک تدبیر اختیار کی۔

آیت 52 ﴿ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّيْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ: اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے مختلف آراء پیش کی ہیں۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ جملہ یوسف علیہ السلام کا ہے۔ وہ عزیزِ مصر پر یہ بات واضح کرنا چاہتے تھے کہ جس شخص نے مجھے اپنے گھر میں بڑی عزت سے رکھا، اپنے گھر کا فرد بنایا اور ایک غلام کی بجائے مہمان کی حیثیت دی، میں نے اس گھر کی عزت کو قائم رکھا ہے۔ میں نے کسی خیانت کا ارتکاب نہیں کیا اور اس کی غیر موجودگی میں کوئی غلط حرکت نہیں کی۔ عزیزِ مصر کی بیوی نے جب یوسف علیہ السلام کو بدکاری کی دعوت دی تو اس وقت بھی یوسف علیہ السلام نے جواب دیا تھا: ﴿اِنَّهٗ رَبِّيْٓ اَحْسَنَ مَثْوَايَ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ [یوسف: ۲۳] ''بے شک وہ میرا مالک ہے، اس نے مجھے عزت کی جگہ دی ہے۔ بے شک حقیقت یہ ہے کہ ظالم لوگ فلاح نہیں پائیں گے۔'' یوسف علیہ السلام نے اپنے محسن عزیزِ مصر کے سامنے اپنا دفاع کرتے ہوئے ہمیشہ بدگمانیاں ختم کیں۔ اس حوالے سے پیچھے یہ بات بھی بیان ہوئی ہے کہ جب عزیزِ مصر کی بیوی نے یوسف علیہ السلام کے بارے میں کہا: ﴿مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا﴾ [یوسف: ۲۵] ''کیا سزا ہے اس شخص کی جس نے تیری بیوی کے ساتھ برائی کا ارادہ کیا۔'' تو یوسف علیہ السلام نے فوراً جواب دیا: ﴿هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ نَّفْسِيْ﴾ [یوسف: ۲۶] ''اس نے مجھے اپنی طرف ورغلانا چاہا تھا۔'' اس سارے معاملے میں یوسف علیہ السلام کا صبر کرنا کمال تدبیر اور حکمت عملی تھی، جو کہ ہمارے نبی ﷺ کو بھی پسند آئی، آپ ﷺ فرماتے ہیں: ((عَجِبْتُ لِصَبْرِ أَخِي يُوْسُفَ)) [سلسلة الأحاديث الصحيحة: ۱۹۴۵] ''میں اپنے بھائی یوسف کے صبر پر بڑا حیران ہوں۔'' عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، قتادہ اور امام ابن جریر طبری رحمہم اللہ نے اسی تفسیر کو پسند کیا ہے۔

اس آیت کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ عزیزِ مصر کی بیوی نے کہا کہ میرے خاوند کو سمجھ لینا چاہیے کہ میں نے چھپ کر کوئی ایسا گناہ نہیں کیا جس سے خیانت ہوئی اور اس کا حق متاثر ہوا ہو۔ میں نے تو بس یوسف کو بہکانے اور پھسلانے

کی کوشش کی تھی، لیکن اس نے انکار کیا اور برائی پر آمادہ نہیں ہوا، یوں اس کے بچنے کی وجہ سے میں بھی بچ گئی۔ بعض مفسرین نے اس حوالے سے یہ بات بھی لکھی ہے کہ عزیزِ مصر کی بیوی نے اپنی غلطی کا اقرار کیا تا کہ یوسف علیہ السلام کو پتا چلے کہ میں نے اس کی عدم موجودگی میں بھی کوئی خیانت نہیں کی اور انھیں مجرم نہیں ٹھہرایا بلکہ ہمیشہ ان کی پاک بازی ہی کا اقرار کیا ہے، البتہ بیشتر مفسرین نے اسی بات کو ترجیح دی ہے کہ عزیز کی بیوی نے چاہا تھا کہ میرے خاوند کے سامنے میری غلطی واضح ہو جائے اور اسے یہ بھی پتا چل جائے کہ میں گناہ کی مرتکب نہیں ہوئی، تا کہ عزیزِ مصر کا اس کے بارے میں اعتماد بحال ہو جائے۔ اگر اسی مفہوم کو اختیار کیا جائے تو یہاں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مسلسل گناہ کرنے سے بندے کا ضمیر مردہ ہو جاتا ہے۔ غیرت مند خاوند تو کبھی یہ بات برداشت نہیں کر سکتا کہ بادشاہ کے پاس بھری مجلس میں اس کی بیوی گواہی دے کہ گناہ تو نہیں ہوا تھا البتہ بات صرف اتنی ہے کہ میں نے یوسف کو ورغلانے اور بہکانے کی کوشش کی تھی۔ یعنی وہ اس بات کو جرم ہی نہیں سمجھتی اور کہہ رہی ہے کہ میں نے کوئی خیانت نہیں کی۔

افسوس کی بات ہے کہ آج کل ہمارے معاشروں میں بھی مغرب کا یہ کلچر تیزی سے عام ہو رہا ہے کہ غیر محرم سے بات چیت کرنے کو برائی سمجھا ہی نہیں جاتا۔ بہت سارے لوگ جو اپنے آپ کو اونچے طبقے کا سمجھتے ہیں، ان کے گھروں میں صورتِ حال یہ ہے کہ باپ کو کچھ پتا نہیں ہوتا کہ اس کا بیٹا گھر سے باہر کیا گل کھلا رہا ہے اور ماں کو بیٹی کے متعلق علم نہیں ہوتا کہ وہ راتوں کو موبائل پر کس سے باتیں کرتی ہے؟ یہ چیزیں معاشرے کے ایک بڑے طبقے میں عام چلن بنتی جا رہی ہیں، جس کے خوفناک نقصانات دیکھنے میں آ رہے ہیں۔ آپ ان میں سے کسی کو سمجھانے کی کوشش کریں تو وہ کہے گا کہ کیا کریں، حالات ہی ایسے بن گئے ہیں اور سارا معاشرہ ہی ایسا ہو گیا ہے۔ مصر کے اس معاشرے میں بھی یہ تھا کہ اتنی بڑی خیانت کو بھی عزیزِ مصر کی بیوی خیانت نہیں کہہ رہی بلکہ اپنے خاوند کو سمجھانا چاہتی ہے کہ میں نے چھپ کر کچھ نہیں کیا۔ جب معاشروں میں یہ خرابیاں ہوتی ہیں تو پھر بگاڑ پیدا ہوتا ہے اور لوگوں کے ضمیر مردہ ہو جاتے ہیں۔ اس سے اصلاح کا عمل رک جاتا ہے اور برائیاں اپنی جگہ بنا لیتی ہیں۔

یہاں سے یہ بات بھی واضح ہو رہی ہے کہ بعض اوقات گھروں میں ماں، باپ، خاوند اور بیویاں برائی سے متاثر ہو جاتے ہیں۔ ایسے ہی گھروں میں بعض عورتیں بہت نیک ہوتی ہیں لیکن خاوند کردار کے بہت گندے ہوتے ہیں، ایسی عورتیں گھروں میں بہت تنگی سے وقت گزار رہی ہوتی ہیں لیکن خاندان اور برادری کی عزت کی وجہ سے سب کچھ چھپائے رکھتی ہیں اور چپ رہتی ہیں۔ یہ چیزیں کسی صورت صحیح نہیں ہیں، ان کی اصلاح ہونی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے مصر کے معاشرے کی تصویر پیش کر کے امتِ محمد ﷺ کو اصلاح کی دعوت دی ہے کہ تم نے یہ انداز اختیار نہیں کرنے اور برائیوں و نافرمانیوں سے خود کو بچا کر رکھنا ہے۔

CamScanner

وَ اَنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِیْ كَیْدَ الْخَآىِٕنِیْنَ: ''اور بے شک اللہ خیانت کرنے والوں کے فریب کو کامیاب نہیں ہونے دیتا۔'' خیانت صرف مال میں کرپشن کرنا ہی نہیں بلکہ فرض ادا نہ کرنا اور کسی کا حق ادا نہ کرنا بھی خیانت ہے۔ خیانت کبیرہ گناہ اور نفاق کی علامتوں میں سے ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: ((آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ: إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ، وَإِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ)) [صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب علامة المنافق: ۳۳] ''منافق کی تین نشانیاں ہیں: جب بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے اور جب وعدہ کرتا ہے تو وعدہ خلافی کرتا ہے اور جب اسے امانت سپرد کی جائے تو خیانت کرتا ہے۔'' اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہماری اصلاح ہو، ہماری دعوت لوگوں کے دلوں میں اترے اور ہمیں دنیا و آخرت میں کامیابیاں ملیں تو اس کے لیے ہمیں اپنے آپ کو خیانت سے بچانا ہو گا۔ جو شخص اپنی زبان، آنکھوں، کانوں اور دوسری خیانتوں سے خود کو محفوظ رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی دعوت میں بھی اثر ڈال دیتا ہے اور جب کبھی وہ کسی مشکل یا مصیبت میں گرفتار ہو جائے تو اس سے نکلنے کا راستہ بھی فراہم کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ خیانتوں کے مرتکب لوگوں کو اس وقت تک ہدایت نہیں دیتا جب تک وہ سچی توبہ کر کے اپنے آپ کو گناہوں سے محفوظ نہ کر لیں۔

CamScanner

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْۗءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ ۭ اِنَّ رَبِّيْ ۝

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۵۳

اور میں اپنے آپ کی پاکیزگی کا دعویٰ نہیں کرتا، بے شک نفس برائی پر یقیناً بہت ابھارنے والا ہے مگر جس پر میرا رب رحم فرمائے۔ یقیناً میرا رب بے حد بخشنے والا، نہایت مہربان ہے ۵۳

آیت 53 وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْۗءِ . . . : یہ اسی موضوع کے بارے میں بات ہو رہی ہے کہ یوسف علیہ السلام نے کہا میں نے عزیزِ مصر کی غیر موجودگی میں کوئی ایسا کام نہیں کیا جسے خیانت کہا جا سکتا ہو۔ اسی تسلسل میں وہ یہ بات کر رہے ہیں کہ میں یہ بھی نہیں کہتا کہ مجھ سے کوئی غلطی نہیں ہوسکتی۔ میں اپنے آپ کو اس سے بری الذمہ قرار نہیں دیتا۔ یہ یوسف علیہ السلام کی عاجزی و انکساری، دل میں ایمان کی پختگی اور اللہ پر توکل کا اظہار ہے کہ اگر میں گناہ سے بچا ہوں تو " اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ " اپنے رب کی رحمت سے بچا ہوں، ورنہ ان عورتوں کی تدبیروں سے بچنا بہت مشکل ہے۔ انسان کا خواہشوں بھرا نفس جسے "نفس امارہ" کہتے ہیں، وہ اسے برائی پر آمادہ کرتا ہے لیکن جب اللہ تعالیٰ کسی پر اپنا فضل و رحمت فرمادے تو پھر وہ شخص نفس کے دھوکے اور برائی سے بچ سکتا ہے۔ ایک یہ تفسیر ہے جو مختلف مفسرین نے کی ہے جبکہ دوسری تفسیر اس کی یہ بیان ہوئی ہے کہ یہ عزیزِ مصر کی بیوی کا کلام ہے۔

پچھلی آیت کے متعلق بھی بعض مفسرین یہی کہتے ہیں کہ عزیز کی بیوی نے ہی یہ بات کہی تھی کہ میں نے یوسف کو بہکانے اور پھسلانے کی کوشش ضرور کی تھی لیکن ایسی کوئی خیانت نہیں کی جس سے مجھ پر گناہ کا کوئی دھبہ لگے اور یہاں بھی وہی کہہ رہی ہے کہ میں یہ نہیں کہتی کہ میں بالکل پاک ہوں۔ انسان کا نفس بندے کو برائی کی طرف آمادہ کرتا ہے، گویا کہ میرے نفس نے مجھے بھی آمادہ کیا اور مجھ سے بھی غلطی ہوئی، جس کا میں اعتراف کر رہی ہوں۔ اگر یہ بات یوسف علیہ السلام کی ہو تو پھر " اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ " سے مراد یہ لیا جائے گا کہ میں اپنے رب کی رحمت سے بچا ہوں اور اگر اسے عزیزِ مصر کی بیوی کا کلام مانا جائے تو پھر اس سے یہ مراد لیا جائے گا کہ وہ اپنے آپ کو گناہ گار کہتے ہوئے غلطی کا اعتراف کر رہی ہے۔

اِنَّ رَبِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ : "بے شک میرا رب بے حد بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔" انسان سے بھول چوک میں غلطی ہو جائے یا وہ جان بوجھ کر گناہ کا ارتکاب کرے، اللہ تعالیٰ تمام خطاؤں اور غلطیوں کو معاف فرمانے والا ہے۔ بخشنا، عطا کرنا اور رحمتیں نازل کرنا خالقِ کائنات کی صفت ہے۔ وہ گناہوں کو معاف بھی کرتا ہے اور ان گناہوں کے اثرات ختم کر کے بندوں کو نیکی کی توفیق سے بھی نوازتا ہے۔

CamScanner

وَ قَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖۤ اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِيْ ۚ فَلَمَّا كَلَّمَهٗ قَالَ اِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا

اور بادشاہ نے کہا انھیں میرے پاس لے کر آؤ کہ میں انھیں اپنے لیے خاص کرلوں، پھر جب بادشاہ نے ان سے بات کی

آیت 54 ﴿وَ قَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖۤ اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِيْ . . .﴾: بادشاہ کے دربار میں جب سارے معاملات کھل کر واضح ہو گئے تو وہ کہنے لگا کہ یوسف کو میرے پاس لے کر آؤ، یہ تو نہایت ذہین اور باصلاحیت ہے۔ میں اسے اپنا قریبی وزیر یا مشیر بنا کر حکومت کی کسی اہم ذمہ داری کا اہل بناؤں گا۔ یوں یوسف علیہ السلام کو بتا دیا گیا کہ آپ کی عزت و پاکدامنی مکمل طور پر ثابت ہو چکی ہے، بادشاہ نے محاسبہ کیا ہے اور مصر کی عورتوں نے بھی اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے آپ کی سچائی پر مہر ثبت کر دی ہے۔ اسی موقع پر انھیں یہ پیغام بھی دیا گیا کہ بادشاہ آپ کو اپنا مقرب بنانا چاہتا ہے اور آپ کو بلا رہا ہے تو یوسف علیہ السلام اپنی شرط پوری ہونے پر قید سے نکل آئے۔ فرمایا: ﴿فَلَمَّا كَلَّمَهٗ﴾ پھر جب بادشاہ سے یوسف علیہ السلام کی بات ہوئی تو وہ ان کی گفتگو سے بھی متاثر ہوا۔ نبیوں کو اللہ تعالیٰ ہر قسم کی خوبی سے نوازتا ہے اور وہ کسی بھی معاشرے کے بہترین انسان ہوتے ہیں۔ ان کی بات چیت، فکر و عمل اور رویے میں بہت اثر ہوتا ہے۔

مفسرین بیان کرتے ہیں کہ جب یوسف علیہ السلام آئے اور انھوں نے بادشاہ سے گفتگو کی تو وہ ان کے علم کی وسعت، اعلیٰ اخلاق اور دیگر خوبیوں سے بھی بے حد متاثر ہوا اور کہنے لگا: ﴿اِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِيْنٌ اَمِيْنٌ﴾ اب تمھارا غلامی کا دور ختم ہوا۔ تم عزیزِ مصر کے گھر میں ایک غلام کی حیثیت سے آئے تھے لیکن اب تم ہمارے ہاں نہایت قابلِ اعتماد اور امانت دار ہو۔ "مَكِيْنٌ" کا ایک معنی بہت معزز اور مرتبے والا ہے جبکہ اس کا دوسرا معنی ہے اقتدار والا، یعنی جسے حکومت سونپ دی جائے۔ بادشاہ یوسف علیہ السلام سے کہتا ہے کہ تم بہت امانت دار ہو اور میں تمھارے اخلاق و کردار اور صلاحیتوں سے بہت متاثر ہوا ہوں۔ تمھاری نوکری، غلامی اور قید والی پہلی حیثیت ختم ہو گئی، اب تمھارا مقام یہ ہے کہ تم حکومت میں شامل ہو گے اور بڑے فیصلے کرو گے۔ بادشاہ کی طرف سے یہ واضح اعلان تھا جو سب کے سامنے کر دیا گیا۔

آیت 55 ﴿قَالَ اجْعَلْنِيْ عَلٰى خَزَآئِنِ الْاَرْضِ﴾: بادشاہ کے خواب میں آئندہ برسوں میں آنے والے قحط اور دوسری مشکلات کا ذکر تھا، اس لیے یوسف علیہ السلام کہتے ہیں کہ اگر آپ مجھے کوئی اہم ذمہ داری دینا چاہتے ہیں تو پھر ملکی خزانوں کی ذمہ داری سونپ دیں، کیوں کہ میں اس کا بہترین طریقے سے انتظام و انصرام سنبھال سکتا ہوں۔ ہم خوش حالی کے سالوں میں ایسا پروگرام تشکیل دیں گے اور اموال کو اس طریقے سے سنبھالیں اور منظم کریں گے کہ قحط کے مشکل ترین دنوں میں اس کے اثرات سے مکمل طور پر بچ سکیں گے۔ "خَزَآئِنِ الْاَرْضِ" سے مراد زمین سے پیدا ہونے والی فصلوں کی طرح سونے، چاندی اور معدنیات وغیرہ کے ذخائر بھی ہیں۔ یعنی وہ ساری چیزیں جنھیں دولت یا وسائل کہا جا

مَكِيْنٌ اَمِيْنٌ ﴿۵۴﴾ قَالَ اجْعَلْنِيْ عَلٰى خَزَآىِٕنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّيْ حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ ﴿۵۵﴾

کہا، بے شک آج سے تم ہمارے نہایت قابل اعتماد، امانت دار ہو ﴿54﴾ (یوسف علیہ السلام نے) کہا مجھے اس ملک کے خزانوں کی ذمہ داری سونپ دیجیے، بے شک میں حفاظت کرنے والا، جاننے والا ہوں ﴿55﴾

سکتا ہے، سب "خَزَآىِٕنِ" میں آتی ہیں۔ حکومت کے خزانے میں یہ ساری چیزیں ہوتی ہیں اور حکومتیں ہمیشہ اس دولت سے فائدے اٹھاتی ہیں۔ یوسف علیہ السلام بھی کہتے ہیں کہ آئندہ حالات میں جو مشکلات نظر آ رہی ہیں اگر آپ مجھے خزانہ کی ذمہ داری سونپ دیں اور سارے وسائل میرے کنٹرول میں دے دیں تو میں انھیں ایسے احسن انداز میں منظم کروں گا کہ سب معاملات ٹھیک ہو جائیں گے۔

اِنِّيْ حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ: "بے شک میں حفاظت کرنے والا، جاننے والا ہوں۔" غور کیجیے! سیدنا یوسف علیہ السلام نے یہاں دو لفظ استعمال کیے، "حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ" یعنی بندہ صرف محافظ ہو تو بھی کام نہیں چل سکتا، اس لیے اس شعبے کے بارے میں علم کا ہونا ضروری ہے، یعنی جس بندے کو عہدہ دیا جا رہا ہے وہ خزانوں کے بارے میں جانتا ہو کہ اس کی تقسیم کیسے کرنی ہے، اسے محفوظ کیسے کرنا ہے اور اس کی نگرانی کیسے کرنی ہے۔ کسی بھی وزیرِ خزانہ میں ان دونوں صلاحیتوں کا ہونا ضروری ہے کہ وہ "حَفِيْظٌ" یعنی حفاظت کرنے والا ہو، بد دیانت نہ ہو اور "عَلِيْمٌ" یعنی خزانے کے معاملات کو جاننے والا بھی ہو۔ گویا وسائل کو صحیح استعمال کرنے اور ان کی حفاظت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جہاں ضرورت ہے وہاں استعمال کیا جائے، انھیں ضائع نہ کیا جائے اور آئندہ مشکل وقت کے لیے بچا کر رکھا جائے۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا: ﴿عَلِيْمٌ﴾ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس چیز کے علم اور صلاحیت سے نوازا ہے کہ میں اموال کو صحیح تقسیم کر سکتا ہوں اور وسائل و دولت کو ضائع ہونے سے بچا سکتا ہوں۔ یہ یوسف علیہ السلام کی طرف سے ایک پیشکش تھی جو انھوں نے بادشاہ کو کی۔

بعض مفسرین نے یہاں ایک بحث کی ہے کہ کیا انھوں نے عہدہ طلب کیا تھا، حالاں کہ نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے: ((لَا نَسْتَعْمِلُ عَلٰى عَمَلِنَا مَنْ أَرَادَهُ)) [صحيح البخاري، كتاب الإجارة، باب في الإجارة: ٢٢٦١] "ہم عہدہ کسی ایسے شخص کو نہیں دیتے جو خود اس کا طالب ہو۔" ہم تو عہدہ اسے دیتے ہیں جو عہدے کو پسند نہیں کرتا، کیوں کہ اسلام میں تو ذمہ داریاں ہوتی ہیں۔ ایک روایت میں ہے، اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں کہ جس آدمی کو دس بندوں کا امیر بنا دیا گیا، قیامت کے دن وہ جکڑ کر رب کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ اگر وہ عادل تھا تو اس کا عدل اسے آزادی اور رہائی دلا دے گا اور اگر ظالم تھا تو یونہی جکڑا رہے گا، اس کے لیے کوئی نجات نہ ہو گی۔ [دیکھیے مسند أحمد: ٢/ ٤٣١، ح: ٩٥٧٣، إسناده قوي عند الأرنؤوط] ایک موقع پر فرمایا: ((مَنْ جُعِلَ قَاضِيًا فَكَأَنَّمَا ذُبِحَ

بِغَيْرِ سِكِّينٍ)) ''جو قاضی بنا دیا گیا تو گویا وہ چھری کے بغیر ذبح کر دیا گیا۔'' [مستدرك حاكم: ٤/ ١٠٣، ح: ٧٠١٨، صححه الحاكم ووافقه الذهبي]

یہ اللہ کے رسول ﷺ کی صریح احادیث ہیں، تاہم یوسف علیہ السلام کے حوالے سے تمام مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ انھوں نے خود عہدہ طلب نہیں کیا تھا بلکہ جب بادشاہ نے کہا کہ میں تمھیں اپنے قریب رکھ کر حکومت میں ایک اہم عہدہ اور وزارت سونپ رہا ہوں تو اس وقت پھر یوسف علیہ السلام نے تجویز دی کہ اگر آپ مجھ سے کام لینا چاہتے ہیں تو میں خزانے کا نظم ونسق سنبھالنے والا کام بہتر طریقے سے کر سکتا ہوں۔ یوسف علیہ السلام کی طرف سے یہ کہنا درحقیقت اپنی ایک صلاحیت کا اظہار تھا، اس لیے یہ چیز عہدہ طلب کرنے کے ضمن میں نہیں آتی۔ اگر وہ عہدہ چاہتے ہوتے تو قید میں رہنا گوارا نہ کرتے بلکہ اس سے بچنے کا کوئی راستہ نکالتے، لیکن انھوں نے عزت بچانے کو آزادی پر ترجیح دی اور کہا: ﴿رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ﴾ [یوسف: ۳۳] اے اللہ! گناہ سے بچنے کے لیے اگر مجھے جیل جانا پڑتا ہے تو میں اس کے لیے بھی تیار ہوں۔ اس سے ان کی سوچ وفکر کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کسی عہدے کے طالب نہیں تھے۔

مفسرین کہتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام نے اپنے کام کے حوالے سے بادشاہ کو ایک مشورہ دیا تھا اور مشورہ دینے میں کوئی حرج نہیں ہے، کیوں کہ فیصلہ تو بہرحال بادشاہ نے ہی کرنا تھا۔ بعض مفسرین نے یہاں ایک اور بات لکھی ہے کہ اگر یہ کہہ دیا جائے کہ یوسف علیہ السلام نے عہدہ طلب کیا تھا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے تو منع اس لیے کیا ہے کہ عہدے کی طلب، خواہش اور حرص نہ رکھو کہ اس سے انسان کو اس کا نفس پریشان کرتا ہے اور وہ غلطی پر آمادہ ہو سکتا ہے، لیکن ایک شخص جو اللہ کا نبی ہے اور غلطیوں سے بچنے والا ہے وہ اپنے آپ کو پیش کر سکتا ہے، کیوں کہ نبی میں تو وہ چیزیں ہوتی ہی نہیں ہیں جن کی بنیاد پر عہدہ طلب کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام نے دینی مصلحت کے تحت عہدہ طلب کیا تھا اور اپنے لیے دعوت اور معاشرے کی اصلاح کا طریقہ نکالا تھا۔ درحقیقت انھوں نے بادشاہ کے خواب سے سمجھ لیا تھا کہ آئندہ معاشی طور پر کیا حالات پیش آنے والے ہیں۔ وہ سمجھتے تھے کہ اگر میں دولت کی صحیح تقسیم اور قحط کے زمانے میں بچت کر کے اور عدل قائم کر کے دکھادوں تو لوگ میری دعوت کو مان لیں گے، ورنہ وہ کفر کے معاشرے میں دعوت کا راستہ نہیں نکال سکتے تھے۔ [دیکھیے مجموع الفتاوی: ١٥/ ١١٤] امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اسلام کی دعوت اور قوت کو مستحکم کرنے کے لیے حکومت میں شرکت کر کے بھرپور طریقے سے محنت کرنی اور مال خرچ کرنا چاہیے اور کفر کے معاشرے میں راستے نکالنے چاہییں۔ اگر مسلمان ایسا نہیں کریں گے تو حالات بدتر ہو جائیں گے اور مسلمانوں کا ایسے ماحول میں رہنا بھی محال ہو جائے گا۔

CamScanner

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے نیت کے اخلاص کی بات کرتے ہوئے ترغیب دلائی ہے کہ امتِ مسلمہ کو غلبۂ اسلام کے لیے ہر صورت کردار ادا کرنا چاہیے اور ہر معاشرے میں بہتر حکمت عملی اختیار کرتے ہوئے مقصد کو حاصل کرنا چاہیے۔ انھوں نے نجاشی رحمہ اللہ کی کوششوں کا بھی ذکر کیا جو انھوں نے اسلام کی خدمت کے لیے انجام دیں۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ مزید لکھتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کی تعریف کی اور ان کا جنازہ بھی پڑھایا، حالانکہ وہ کافروں کے ملک کا بادشاہ تھا۔ [دیکھیے منهاج السنة النبوية: ۵/ ۱۱۱، ۱۱۲] اس سے استدلال کرتے ہوئے علماء نے کہا ہے کہ حکومت کی بہت سی مجبوریاں ہوتی ہیں لہٰذا مسلم حکمرانوں کی مصلحتوں کا اعتبار کرنا چاہیے اور ان پر فتوے نہیں لگانے چاہییں۔

اس آیت ''اجْعَلْنِيْ عَلٰى خَزَآىِٕنِ الْاَرْضِ'' سے استدلال کرتے ہوئے کبار علمائے کرام کہتے ہیں کہ دعوت اور اسلام کے مفاد کے حصول کی نیت سے ایک فرد یا جماعت اپنے آپ کو عہدے کے لیے پیش کر سکتے ہیں، حکومت میں شامل ہو سکتے ہیں اور جن ملکوں میں انتخابات سے حکومتیں بنائی جاتی ہیں وہاں انتخابات میں حصہ لے سکتے ہیں۔

سعودی عرب کے مفتی الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ سے مسلمان ملکوں میں ہونے والے انتخابات کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے جواب دیا کہ انتخابات میں حصہ لینا واجب ہے، کیونکہ اگر اچھے لوگ حصہ نہیں لیں گے تو برے لوگ حکومتوں میں آ کر اسلام کا نقصان کریں گے۔ اگر خدشہ ہو کہ انتخابات میں خاطر خواہ کامیابی نہیں ملے گی تو پھر بھی یہ بات طے ہے کہ اگر ایک داعی بھی انتخابات کے نتیجے میں پارلیمنٹ میں پہنچ گیا تو وہ بھی اچھا کردار ادا کر سکتا ہے۔

الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ سے کویت کے انتخابات میں حصہ لینے کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے جواب دیا کہ اچھے لوگوں پر واجب ہے کہ وہ انتخابات میں حصہ لیں۔ فسّاق (برے لوگوں) کی مجلس میں برائی کو ختم کرنے اور دعوتِ حق پیش کرنے کے لیے اگر ایک شخص بھی پارلیمنٹ میں جاتا ہے تو اسے ضرور جانا چاہیے، تاکہ وہ شر کو کم کر سکے۔ امریکی پارلیمنٹ کے انتخابات میں ووٹ دینے اور رکنیت حاصل کرنے کے بارے میں بھی ان کی رائے یہی تھی کہ غیر مسلم ملکوں کے انتخابات میں شرکت اس بنا پر کرنی چاہیے کہ مسلمانوں کے حقوق کی آواز اٹھائی جا سکے۔ مسلمانوں کے نمائندے وہاں ان کی ہاں میں ہاں ملانے کے لیے نہیں بلکہ اپنی دعوت پیش کرنے کے لیے جائیں گے۔ [لقاء الباب المفتوح: ۲۱۱/ ۱۳]

محدث مدینہ شیخ عبد المحسن العباد سے انتخابات کے بارے میں سوال ہوا تو ان کا کہنا تھا کہ اگرچہ جمہوری طریقہ غیر مسلموں کا ایجاد کردہ ہے لیکن دینی مصلحت کے لیے اس میں شرکت کی جا سکتی ہے، بلکہ وہ تو یہاں تک کہتے ہیں کہ اگر انتخابات غیر مسلم ملکوں میں بھی ہوں تو ان نمائندوں کی تائید کرنی چاہیے جن میں شر کم ہو، اگرچہ مقابلہ کرنے والے دونوں غیر مسلم ہوں۔ شیخ محترم نے رومیوں کی ایرانی مجوسیوں پر فتح کو دلیل بناتے ہوئے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور

CamScanner

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رومیوں کی فتح پر خوشی کا اظہار کیا تھا جس کا ذکر قرآن مجید میں سورۃ الروم (۲ تا ۴) میں موجود ہے۔ سنن ابی داؤد کے حاشیے میں شیخ عبدالمحسن کہتے ہیں کہ مسلمانوں کو ہمیشہ اپنی مصلحت کو دیکھنا چاہیے۔ [شرح سنن أبي داؤد للعباد : ٤٨٨/ ٣٠]

جید علمائے کرام کے سارے دلائل دیکھ کر یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انھوں نے غیر اسلامی نظاموں میں شرکت کے حوالے سے کچھ بنیادی اصول طے کیے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ غیر اسلامی نظام تشکیل نہ دیا جائے، یعنی اسے بنایا نہ جائے، البتہ اگر کسی ملک میں غیر اسلامی نظام پہلے سے چل رہا ہے تو دینی مصلحت کے پیشِ نظر اس میں حصہ لیا جا سکتا ہے۔ اس ساری جد و جہد کا مقصد یہ ہونا چاہیے کہ نظام کی اصلاح کی جائے، اسلامی دعوت کے لیے راستے نکالے جائیں اور مسلمانوں کو فائدہ پہنچایا جائے۔

اسی طرح اختیار اور اضطرار میں بھی فرق کرنا ضروری ہے۔ اگر مسلمانوں کو کسی معاشرے یا ملک میں اختیار حاصل ہے تو اسلام کو قوت کے ساتھ قائم کیا جائے اور اگر مجبوری کی حالت ہے تو اسلام کی اقامت کے لیے راستہ نکالنا چاہیے۔ بے بس اور مایوس ہو کر بیٹھ رہنا کسی صورت درست نہیں ہے۔ اس سے مسلم معاشرے کمزور ہوتے ہیں اور نسلوں میں بگاڑ بڑھتا جاتا ہے۔ تاریخ میں ایسے مقامات موجود ہیں جہاں اسلام کو قوت حاصل تھی لیکن جب مسلمانوں نے جہاد چھوڑ دیا اور دعوت کے ساتھ اصلاح کے راستے بھی نہ نکالے گئے تو آہستہ آہستہ وہاں یہ صورتِ حال ہو گئی کہ اب چند بے آباد مسجدیں ہی توجہ کی طالب دکھائی دیتی ہیں۔

تفسیر سعدی کے مؤلف علامہ عبدالرحمٰن بن ناصر السعدی رحمہ اللہ قصہ شعیب علیہ السلام کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ اگر مسلمان کسی علاقے میں کفار کی حکومت کے تحت رہ رہے ہوں اور ان کے سامنے جمہوریت کے سوا اپنے حقوق حاصل کرنے کا کوئی راستہ نہ ہو تو وہاں جمہوری طریقے سے راستہ نکال لیں اور اپنی جد و جہد جاری رکھیں۔ بصورتِ دیگر وہ کفار کے غلام بن کر رہیں گے۔ اس حوالے سے وہ مزید کہتے ہیں کہ اگر یہ ممکن ہو کہ مسلمانوں کی کوشش کامیاب ہو جائے اور حکومت مسلمانوں کو مل جائے تو یہ سب سے اعلیٰ درجہ ہے لیکن اگر وہ یہ درجہ حاصل نہیں بھی کر سکتے تو کم از کم وہ درجہ حاصل کریں جس سے مسلمانوں کے دین و دنیا کا تحفظ ہو سکے۔ [تفسير السعدي : ٣٨٩] علامہ سعدی رحمہ اللہ جمہوری نظام کو غیر شرعی قرار دیتے ہوئے مصلحت کی خاطر جمہوری طریقہ اختیار کرنے کا جواز پیش کر رہے ہیں۔

مفتی اعظم سعودی عرب الشیخ ابن باز رحمہ اللہ سے اسمبلی کی رکنیت حاصل کرنے کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے کہا کہ اس کا انحصار نیت پر ہے۔ اگر نیت اسلامی دعوت کے فائدے کی ہے تو رکنیت حاصل کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ [فتاوى الشبكة الإسلامية : ١/ ٦٤٠]

CamScanner

شیخ البانی رحمہ اللہ بھی جمہوریت کو غیر شرعی قرار دیتے ہوئے اس میں مصلحت کے تحت شرکت کو جائز قرار دیتے ہیں، بلکہ فرماتے ہیں کہ اس شخص کو ووٹ دینا لازمی ہے جس کا شر دوسرے کی نسبت کم ہو۔ [جامع تراث الألباني في المنهج والأحداث الكبرىٰ : ٣ / ١٤٥]

مسلم امہ کے معروف اور جید علمائے کرام کی ان ساری آراء کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ہم کہتے ہیں کہ جمہوری نظام غیر اسلامی ہے لیکن علماء نے اس نظام میں شرکت کے لیے مسلمانوں کی رہنمائی کی ہے۔ پاکستان سمیت بعض دوسرے ممالک میں جمہوری طریقۂ انتخاب مدت سے چل رہا ہے۔ پاکستان میں جماعت بنانے اور سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینے کو آئینی تحفظ حاصل ہے۔ اسی طرح پاکستان میں جمہوری نظام مغرب سے مختلف ہے۔ پاکستان کے آئین میں واضح طور پر موجود ہے کہ کتاب وسنت کے خلاف کوئی قانون نہیں بنایا جا سکتا۔ غلطی حکومتوں کی ہے جنھوں نے اپنے مفاد کے مطابق ملک کو چلایا اور مرضی کی ترامیم کر کے آئین کا حلیہ بگاڑا، اس کی اصلاح ہونی چاہیے۔ اسلامی کردار کے پختہ لوگوں کو چاہیے کہ وہ حکومت اور پارلیمنٹ میں آئیں، ملک میں موجود اسلامی قوانین کو رائج کریں اور بھرپور عوامی تائید و حمایت کے ذریعے اہلِ پاکستان کی رہنمائی کریں۔ استاذ العلماء احمد شاکر رحمہ اللہ کا بھی اس حوالے سے یہی موقف ہے کہ پارلیمنٹ میں جانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اگر یہ خدشہ ہو کہ ناکامی ہو گی تو پھر بھی جدوجہد جاری رکھی جائے۔ ایک مرتبہ نہیں تو دوسری، تیسری یا چوتھی مرتبہ پہنچ جاؤ گے۔ [جمهرة مقالات أحمد شاكر : ٢ / ٦١٣]

ایک طرف امت کے جید علمائے کرام کا یہ موقف ہے تو دوسری جانب ہمارے بعض علمائے کرام احتیاط والے پہلو کو ترجیح دیتے ہوئے ہمیشہ جمہوری سیاست سے دور رہے، بعض ووٹ کی حد تک اور بعض اس کو بھی ناجائز قرار دیتے رہے اور جمہوریت کی روح چونکہ مغرب سے ہے، اس لیے اس کی مذمت کرتے رہے۔ مذکورہ بالا جید علمائے کرام بھی اس کو غیر اسلامی نظام مانتے ہوئے گنجائش دیتے ہیں۔ بات صرف ترجیح کی ہے کہ کس پہلو کو ترجیح دی جائے۔

بعض متشدد حضرات نے بلاوجہ کفر کے فتوے لگائے ہیں۔ انتخابات میں شرکت کرنے والوں کو انھوں نے فاسق و فاجر کہا اور حکمرانوں کو واجب القتل قرار دیا۔ فتنے کے اس دور میں اصلاح کی بجائے تکفیر کو عام کیا۔ اس سے امت کا شیرازہ بکھرا، مایوسیاں پھیلیں اور مسلمانوں کو جدوجہد سے روک کر بے بس کر دیا گیا۔ حقیقت ہے کہ ان چیزوں سے امت کا بہت نقصان ہو چکا، لہٰذا اس کا ازالہ کرنے کے لیے علماء کی رہنمائی میں لائحہ عمل اختیار کرنا چاہیے اور اس کے مطابق آگے بڑھ کر اس نظام کا حصہ بننا اور اس میں اپنا بھرپور کردار ادا کرنا چاہیے۔

CamScanner

وَ كَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ يَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَآءُ ؕ نُصِيْبُ بِرَحْمَتِنَا

اور اس طرح ہم نے اس ملک میں یوسف (علیہ السلام) کو حکومت دی کہ وہ اس میں جہاں چاہیں رہیں، ہم اپنی رحمت سے جسے

آیت 57،56 وَ كَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ . . . : اس سے پہلے یوسف علیہ السلام پر امتحانات کا دور تھا اور اب یہاں سے انعامات کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ یوسف علیہ السلام کو مصر کی حکومت میں بڑا کنٹرول حاصل ہو گیا تھا۔ سیاقِ کلام سے یہ بات صاف واضح ہوتی ہے کہ یوسف علیہ السلام کو خزانہ کی وزارت ملی تو سارے وسائل ان کی زیر نگرانی آ گئے۔ اس دوران انھوں نے آئندہ آنے والی مشکلات پر قابو پانے کے لیے بہت شان دار انتظام کیا۔ کچھ لوگ جو دین میں، خاص طور پر ولاء اور براء کے مسئلے میں غلو کرتے ہوئے سمجھتے ہیں کہ باطل نظاموں کا حصہ بننا کسی صورت درست نہیں ہے، اگرچہ حصہ لینے والے عالم، دین دار اور متقی ہوں اور ان کی نیت اصلاح ہی کی کیوں نہ ہو۔ وہ یوسف علیہ السلام کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ کافر بادشاہ کے وزیر نہیں تھے، یا تو بادشاہ مسلمان ہو گیا تھا اور یا پھر بادشاہ نے از خود ہی زمامِ حکومت ان کے سپرد کر دی تھی۔ ایک کافر بادشاہ کا وزیر ایک نبی ہو، ایسا ممکن نہیں ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اکثر انبیائے کرام علیہم السلام کفر کے نظاموں میں رہتے ہوئے ہی دعوت اور اصلاح کا کام کرتے رہے ہیں۔ تاریخ کا مطالعہ کریں تو پتا چلتا ہے کہ کچھ انبیاء علیہم السلام کے والدین اور رشتہ دار کافر تھے، تاہم وہ ان کے درمیان رہتے ہوئے ان کی اصلاح کرتے تھے۔ ایسے ہی کچھ انبیاء علیہم السلام کی بیویاں کافر تھیں لیکن اس کے باوجود وہ ان کے ساتھ حقِ زوجیت بھی ادا کرتے تھے اور انھیں دعوت بھی دیتے تھے۔ سورۃ الممتحنہ کی آٹھ اور نو نمبر آیات اس ضمن میں بہت واضح رہنمائی کرتی ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ محقق علماء لکھتے ہیں کہ مصر کا بادشاہ کافر تھا، جیسا کہ ابن جزری رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں اس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''وَكَانَ هٰذَا الْمَلِكُ كَافِرًا '' [التسهيل لعلوم التنزيل: ۳۹۰/۱] '' یہ بادشاہ کافر تھا۔'' اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ایک نیک شخص کسی فاجر کی نگرانی میں کام کر سکتا ہے جب کہ وہ اس کی اصلاح کرنا چاہتا ہو۔ امام شوکانی رحمہ اللہ اپنی تفسیر فتح القدیر میں لکھتے ہیں: ((وَقَدِ اسْتُدِلَّ بِهٰذِهِ الْآيَةِ عَلٰى أَنَّهُ يَجُوْزُ تَوَلِّي الْأَعْمَالِ مِنْ جِهَةِ السُّلْطَانِ الْجَائِرِ بَلِ الْكَافِرِ لِمَنْ وَثِقَ مِنْ نَفْسِهِ بِالْقِيَامِ بِالْحَقِّ)) [فتح القدير للشوكاني: ۴۳/۳] ''اس آیت سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ اس شخص کے لیے ظالم بلکہ کافر بادشاہ کے دیے گئے عہدوں کو قبول کرنا جائز ہے جسے خود پر اعتماد ہو کہ وہ حق کو قائم کر سکتا ہے۔''

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اسی مسئلہ کی ایک شکل یوسف علیہ السلام کا سرزمینِ مصر کے خزانوں کا نگران بننا ہے۔

مَنْ نَّشَآءُ وَلَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۶﴾ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

چاہتے ہیں عطا کر دیتے ہیں اور ہم نیک لوگوں کا اجر ضائع نہیں کرتے ﴿56﴾ اور یقیناً آخرت کا اجر سب سے بہتر ہے، ان کے

ان کا بادشاہ سے یہ سوال کرنا کہ وہ انھیں مصر کے خزانوں کا نگران بنا دے، یہ بھی اسی کی ایک صورت ہے، حالاں کہ ان کی قوم کے لوگ کافر ہی تھے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَ لَقَدْ جَآءَكُمْ يُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ﴾ [المؤمن: ۳٤] ''اور بلاشبہ یقیناً اس سے پہلے یوسف (علیہ السلام) تمھارے پاس واضح دلائل لے کر آئے تھے مگر وہ جو کچھ لائے اس کے متعلق تم شک میں ہی پڑے رہے۔''

نُصِيْبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَآءُ: ''ہم اپنی رحمت سے جسے چاہتے ہیں عطا کر دیتے ہیں۔'' حکومت اگر اللہ سے ڈرنے اور اس کا حکم نافذ کرنے والوں کی ہو تو ایسی حکومت انسانوں، ملکوں اور معاشروں کے لیے رحمت ہوتی ہے۔ یہاں رحمت سے مراد حکومت ہے۔ نبی کریم ﷺ نے بھی حکومت کو رحمت کہا ہے، حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((إِنَّكُمْ فِيْ نُبُوَّةٍ وَرَحْمَةٍ، وَسَتَكُوْنُ خِلَافَةٌ وَرَحْمَةٌ، ثُمَّ يَكُوْنُ كَذَا وَكَذَا، ثُمَّ يَكُوْنُ مُلْكًا عَضُوْضًا، يَشْرَبُوْنَ الْخُمُوْرَ، وَيَلْبَسُوْنَ الْحَرِيْرَ، وَفِيْ ذَلِكَ يُنْصَرُوْنَ إِلَى أَنْ تَقُوْمَ السَّاعَةُ)) [المعجم الأوسط للطبراني: ٦٥٨١] ''بے شک تم لوگ نبوت اور رحمت کے زمانے میں ہو، پھر خلافت اور رحمت ہو گی، پھر کچھ ایسا اور ویسا ہو گا، پھر بادشاہت کا ایسا دور آئے گا جو سخت ہو گا۔ لوگ شرابیں پئیں گے، ریشم پہنیں گے اور اس حالت میں بھی ان کی مدد کی جائے گی، یہاں تک کہ قیامت قائم ہو جائے۔''

وَلَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ: ''اور ہم نیک لوگوں کا اجر ضائع نہیں کرتے۔'' مطلب یہ کہ اگر کردار کو پختہ کرنے پر محنت کی جائے اور ایسے لوگوں کو تیار کیا جائے جو محسن ہوں تو اللہ تعالیٰ چاہے تو ایسے لوگوں کو اقتدار سونپ کر ان کے ذریعے سے قوموں کی اصلاح فرما دیتا ہے۔ گویا رب تعالیٰ کی طرف سے اصلاح کا ایک ذریعہ حکومت بھی ہے۔ خالقِ کائنات جس طرح نبیوں اور رسولوں کو بھیج کر اصلاح کرتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام کی اصلاح اللہ کی طرف سے رحمت ہوتی ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اسلامی حکومت کو بھی اصلاح کا ایک ذریعہ بنایا ہے۔ حکومت کا اصلاح کرنا بھی باعث رحمت ہوتا ہے۔ یہاں ایک بنیادی بات بتائی گئی ہے کہ اللہ رب العالمین اپنے ان محسن بندوں کو بھی حکومت سے نواز دیتے ہیں جو کردار کے پختہ ہوتے ہیں، جیسا کہ یوسف علیہ السلام کے بارے میں ہم دیکھتے ہیں کہ ان کی ساری زندگی نیکی، تقویٰ، پرہیز گاری اور کردار کی پختگی والی ہے۔

اس آیت سے یہ بات سمجھ آتی ہے کہ اگر آپ نے اسلامی حکومت قائم کرنی ہے تو اس کے لیے اپنے کردار و عمل کو بہت مضبوط بنانا چاہیے۔ یوسف علیہ السلام کے دور میں معاملہ تھوڑا مختلف تھا۔ اس وقت جہاد کی یہ کیفیت نہیں تھی جو اس

CamScanner

وَ كَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۵۷﴾ ع ۷

لیے جو ایمان لائے اور ڈرتے رہے ﴿57﴾

امت میں ہے لیکن ان کا ایمان اور عبادت بہت پختہ تھی۔ انھوں نے ایک غلام کی حیثیت سے گھر میں رہنے کے باوجود اپنے ایمان کی حفاظت کی اور احسان کا رویہ اختیار کیا۔ اس کے بعد جب قید میں گئے تو قیدی آ کر کہتے ہیں کہ ہم آپ کو ایک محسن شخص کے طور پر دیکھ رہے ہیں، یعنی یوسف علیہ السلام نے موقع اور حالات کی مناسبت سے یہ بات ثابت کی کہ ان کا رویہ اور کردار بہت عمدہ ہے۔ آج کے دور میں تو نماز، روزہ اور دوسری عبادات کے ساتھ ساتھ جہاد بھی شامل ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے: ((ذُرْوَةُ سَنَامِ الْإِسْلَامِ الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ)) [مسند أحمد: ۵/۲۳۵، ح: ۲۲۰۵۱، وقال الأرنؤوط: صحيح بطرقه وشواهده] ''اسلام کی کوہان کی چوٹی جہاد فی سبیل اللہ ہے۔'' محمد ﷺ کی شریعت میں یہ ساری چیزیں نیکی میں شامل ہیں۔

موجودہ دور میں یہ بات بہت ضروری ہے کہ محسنین کی جماعت تیار کی جائے اور کردار کے پختہ لوگوں کو تربیت دے کر انھیں اس قابل بنایا جائے کہ اللہ تعالیٰ انھیں پسند کرے، جب اور جس طرح چاہے انھیں حکومت عطا کرے اور پھر ان کے ذریعے سے معاشرے، قوم اور ملک کی اصلاح کر دے۔ یوسف علیہ السلام کے واقعہ سے یہ استدلال ہو سکتا ہے بلکہ قرآن خود بیان کر رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ محسنین کے اجر کو کسی صورت ضائع نہیں کرتا۔ اگر یوسف علیہ السلام کو مصر کی حکومت مل گئی اور وسائل اللہ نے ان کے ہاتھ میں دے دیے تو یہ اس وجہ سے تھا کہ انھوں نے احسان پر اپنے آپ کی تربیت کر کے ایک محسن شخص کا کردار پیش کیا تھا۔ اسی کے صلہ میں اللہ تعالیٰ نے پھر انھیں انعام سے نوازا۔

وَ لَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا يَتَّقُوْنَ: ''اور یقیناً آخرت کا اجر سب سے بہتر ہے، ان کے لیے جو ایمان لائیں اور ڈرتے رہیں۔'' اللہ تعالیٰ دنیا میں کسی کو اقتدار و حکومت عطا کر دے تو یہ بہت بڑی نعمت ہے لیکن آخرت میں جو نعمتیں رب تعالیٰ عطا فرمائیں گے وہ سب سے بہتر ہیں۔ ہو سکتا ہے دنیا میں اللہ کے محسن بندوں کو کچھ ملے یا بہت تھوڑا ملے اور وہ دنیا میں کوئی بڑا کام نہ کر سکیں لیکن اللہ رب العالمین دنیا میں ان کے نیکی کے اجر کو ضائع نہیں کریں گے، فرمایا: ﴿ وَ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى ﴾ [الأعلی: ۱۷] اگر دنیا میں کسی کو نہیں ملا اور آخرت میں مل گیا تو یہ آخرت کا ملنا دنیا سے بہت بہتر ہے۔ دنیا کا اقتدار تو آج ہے کل نہیں ہو گا لیکن آخرت میں جو کچھ ملنا ہے وہ ہمیشہ کے لیے ہے۔ اللہ رب العالمین کسی کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ کچھ کو دنیا میں دے دیتا ہے اور کچھ وہ ہیں جنھیں آخرت میں عطا فرمائے گا۔ دنیا میں تو کافروں کو رب تعالیٰ جتنا چاہتے ہیں عطا کر دیتے ہیں، لیکن آخرت کا اجر خاص ان لوگوں کے لیے ہے

جو ایمان لانے والے اور تقویٰ و پرہیز گاری اختیار کرنے والے ہیں۔